Taṣdīq
Vol 6 No 2, 2024

Article

Depiction of Contemporary Tragedies in Intizar Hussain Short Stories

انتظار حسین کے افسانے میں عصری سانحات کی تصویر کشی

[1]Maryam Akram Khan, [2*]Dr. Rabia Sarfraz
[1]Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
[2]Chairperson, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad
*Correspondence: dr.rabiasarfraz@yahoo.com

[1]مریم اکرم خاں، [2]ڈاکٹر رابعہ سرفراز
[1]پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، [2]صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

DOI:https://doi.org/10.56276/q4r4qp90

Received:23-07-2024
Accepted:12-10-2024
Online:31-12-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the authors.

ABSTRACT

The prolific Pakistani writer Intizar Hussain is regarded as one of the most important contemporary Urdu writers. He wrote short stories, novels, poetry, fiction, and nonfiction. The present research deals with the recurring ureases of social tragedies and incidents, migration violent and terrorist attacks after partition, the catastrophic wars, nostalgia, disorientation, and displacement. The research is qualitative in nature. Intizar Hussain's short stories eloquently depict current social catastrophes and human sufferings. These stories address contemporary topics such as human suffering, degradation of mankind, and societal paradoxes with a deft combination of reality and emotional depth. His characters and locations serve as evocative representations of a quickly changing world, providing significant insights into the intricacies of human existence as well as contemporary sociocultural difficulties. He masterfully reflected the realities of contemporary tragedies, encapsulating the struggles, conflicts, and sufferings of modern society. His narratives are deeply rooted in the socio-cultural landscape, portraying the human condition amidst crises such as displacement, loss of identity, and moral decline. His works serve as a mirror to the collective pain and resilience of humanity, making them timeless and universal.

KEYWORDS: Afsana (Short-Stories), Contemporary, Tragedy, Migration, Disorientation Catastrophic War, Displacement

لفظ سانحات بظاہر بولنے اور سننے میں ایک چھوٹا لفظ ہے مگر وسعت و گہرائی کے حوالے سے اپنے اندر ایک پورا جہاں بسائے ہوئے۔ اس ایک لفظ نے مختلف تہذیبوں، ملکوں، قوموں اور نسلوں کی تاریخ اور اقدار کو بدل کے رکھ دیا۔ سانحہ کسی بھی ناخوشگوار اور صدمہ پہنچانے والے واقعہ کو کہتے ہیں۔ حادثہ اور سانحہ میں بہت فرق سے حادثہ اچانک غیر متوقع پیش آنے والے واقعہ کو کہتے ہیں جب کہ سانحہ کئی نسلوں، قوموں، لوگوں اور شہروں کی تباہی و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتا۔ سانحات ہی نوع انسان پر نفسیاتی، سیاسی، مذہبی، سماجی اور تہذیبی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ مختلف لغات میں سانحہ کے مختلف مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ "لغات کشوری" میں مولوی سید تصدق حسین رضوی یوں رقم طراز ہیں:

"ظاہر ہونے والا، پیش آنے والا۔"(۱)

آکسفورڈ ڈکشنری آف پرنٹ انگلش میں سانحہ یا Disaster کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"A sudden misfortune: a string of disaster" (OR)
"A sudden accident or a natural catastrophe that causes loss of life(۲)".

ارضی، سماوی سانحات کے علاوہ کچھ سانحات ایسے ہیں جن کا تعلق آسمانی طاقت نہیں بلکہ خود انسان ہے۔ انسانی تاریخ ایسے سیاسی، معاشرتی و سماجی سانحات سے بھری پڑی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی تہذیبوں، نقشوں اور اقتدار کے ایوانوں اور علوم و فنون کے دبستانوں میں ایسی خوف ناک تبدیلیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے انسانی وحشت، بربریت اور حیوانیت کو بے نقاب کیا، ادیب اور فن کار معاشرے کا باشعور فرد ہونے کی وجہ سے ان واقعات کا گہرا اثر لیتا ہے۔ ادیب اپنی تخلیقی کا مواد معاشرے سے لیتا ہے گویا اس کی ادبی تخلیق انفرادی اقدار اور اجتماعی شخصیت کی عکاس بن جاتی ہے۔ ان سیاسی و سماجی سانحات کو مختصر بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) دہشت گردی / فرقہ واریت

(۲) ہجرت و فسادات

(۳) جنگیں

دہشت گردی اور فرقہ ورانہ فسادات جدید دور کی خطرناک اصطلاحات ہیں۔ دہشت گردی کے لغوی معنی ہیں خوف ڈر، ہول اور ہیبت۔ دہشت گردی ایک ایسی غیر انسانی اور غیر قانونی کارروائی ہے جس کا مقصد کسی بھی خطے علاقے اور ملک میں بدامنی، خوف اور انتشار پیدا کرنا ہوتا ہے۔ عموماً یہ کارروائیاں نظریاتی، مذہبی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کی جاتی ہیں۔ دہشت گرد سرکاری اداروں نہتے شہریوں اور دیگر اہداف کو نشانہ بناتے ہیں۔ تاکہ اس خطے کی حکومت و عوام پر دباؤ ڈال کر اپنے

مقاصد و مفادات کو زبردستی منوایا جاسکے۔

Oxford Dictionary کے مطابق:

"The unlawful use of violence and mtimidation especially against civilians in the pursuct of political aims(۳)".

دہشت گردی سے معاشرتی، معاشی، سیاسی نقصان اور تباہی پیدا ہوتی ہے جس کے اثرات اانے والی نسلوں تک رہتے ہیں۔ یہ ایک سنگین اور پیچیدہ مسئلہ ہے جو دنیا بھر کی انسانیت کو متاثر کرتا ہے۔ عزیزہ خان دہشت گردی کی وضاحت کچھ یوں کرتی ہیں:

"دہشت گردی سے مراد انسانوں کے اندر ڈر، خوف، ہیبت اور ہول کی سی کیفیت کا پیدا ہونا انسانی جاں کازیاں بھی اسی دہشت گردی کے ضمن میں آئے گا۔"(۴)

دہشت گردی کی مختلف اقسام اور طریقے ہیں۔ سیاسی دہشت گردی ایسی کارروائیاں ہیں جن کے ذریعے کسی ملک کے سیاسی نظام اور حکومتوں کو عدم استحکام سے دوچار کیا جاتا ہے۔ مذہبی عقائد اور فرقہ کے نام اور تحفظ کی خاطر پر تشدد کارروائیاں مذہبی دہشت گردی کہلاتی ہیں۔ کسی مخصوص قومیت یا نسل کو ختم کرنے کے لیے کی جانے والی کارروائیاں قومی یا نسلی دہشت گردی ہے۔ جب کوئی حکومت خود اپنے مخالفین اور عوام کے خلاف وہراس پیدا کرنے کے پر تشدد کارروائیاں کرے تو وہ ریاستی دہشت گردی کی قسم ہے۔

ہجرت سے مراد ہے اپنی سرزمین، اپنے وطن کو چھوڑنا، نامساعدہ حالات، معاشی، معاشرتی، مذہبی و سیاسی حالات ایک انسان کو اس قدر مجبور کر دیں کہ وہ اپنا مادرِ وطن چھوڑ کسی دوسری جگہ جا بسے۔ تقسیمِ ہند بظاہر دو الفاظ پر مشتمل ہے لیکن ان دو الفاظ کے پیچھے تاریخ سب سے شرم ناک اور بھیانک واقعات چھپے ہیں۔ جس نے دنیا کی کی تاریخ بدل دی اور آج تک انسانیت ان واقعات پر شرم سار ہے۔ ڈاکٹر محمد ذاکر افضال فسادات اور ہجرت کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرقہ ورانہ فسادات اور کشتِ خون کے جو مظاہرے ان دنوں دیکھے گئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ہو۔ گھر کے گھر اجڑ کر رہ گئے۔ مکان جلا کر راکھ کر دیے گئے۔ بے گناہ مسکین دربدر مارے مارے پھرنے پر مجبور ہو گئے۔ سالہا سال سے فرقہ ورانہ مافرت کا کھولتا ہوا لاوا ابل پڑا انسانی قدریں خطرے میں پڑ گئیں۔"(۵)

تقسیمِ ہند کے موضوع پر بے پناہ ادب تخلیق کیا گیا۔ یہ ادب فسادات کی بربریت سے شروع ہوا اور پھر مہاجرت سے یادِ ماضی تک پھیل گیا۔ سانحہ فسادات کے موضوع پر تخلیق ہونے والے ادب کے تین رجحانات ہیں۔

اوّل رجحان جس میں پاکستان و ہندوستان کے بیشتر تخلیق کاروں نے قلم اٹھایا۔ اس کے تحت فسادات کے المیے بربریت حیوانیت، خون ریزی، بہمیت اور عصمت ریزی کی منظر کشی کی گئی ہے اس موضوع پر زیادہ تر افسانے تحریر کیے گئے ہیں۔ دوسرا رجحان فسادات کے بعد ہونے والی ہجرت کا المیہ ہے۔ اپنے وطن گھر بار کو چھوڑنے کے درد، غربت، عصمت فروشی، گداگری، بے گھری، معاشی بحران، آرزؤں اور خوابوں کے بکھرنے کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے اور معاشرتی و معاشی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس حوالے سے محمد علی صدیقی یوں رقم طراز ہیں:

> "قیام پاکستان کے فوراً بعد کے مسائل خواہ وہ فسادات سے تعلق رکھتے ہوں یا ایک کروڑ سے زائد افراد کی نقل مکانی کے مسائل ہوں، یہ مسائل بہر طور آزاد بنا مملکت کے سماجوں کی شکستگی ظاہر کر رہے تھے۔ جس تیزی کے ساتھ روحانی اقدار کے حامل معاشروں نے صدیوں پر محیط انسانی رشتوں کی تذلیل کی تھی وہ ایک ڈراونے خواب سے کم نہ تھی۔ آزادی کی دیوی کا خون اور آگ کے دریا سے گزرے کا منظر روح فرسا تھا۔"(۶)

تخلیقی ادب کا تیسرا اہم رجحان، طبقاتی مناخرت، معاشرتی مسائل اور اقتصادی محرومی تھا۔ آزادی کے متوالے جو تقسیم کی خوشی ہجرت کے صدمات سے مبہوت تھے وہ نومولود ریاست میں انہیں مسائل کو جوں کا توں دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے۔ جمہوریت و آزادی کا طلسم چور چور ہو گیا۔ وہ تخلیق کار جو پہلے غیروں کے جبر پر نوحہ کناں تھا۔ آپ اپنے ہی ملک میں ہونے والی لوٹ گھسوٹ بے وفائی، ظلم و ستم اور استحصال کا ماتم کرنے لگے۔ اس حوالے سے فردوس انور قاضی یوں لکھتے ہیں:

> "فسادات کے بعد پوری زندگی اتنی گرد آلود ہو گئی کہ انہیں کوئی چہرہ نظر نہ آسکا۔ اس لیے نئے افسانہ نگاروں کے ہاں بے چہرہ لوگوں کے تمام آدرش ٹوٹ چکے تھے۔ گم ہو چکے تھے۔ فسادات کے تند و تیز سیلاب نے تمام راستے کاٹ کر رکھ دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نئے افسانہ نگاروں میں حوصلہ سفر ہی نہیں رہا وہ اپنی ہی ذات میں لوٹ آئے۔ باہر بہت اندھیرا تھا کچھ سجائی نہ دیتا تھا۔"(۷)

یوں فسادات کے سانحہ پر لکھا جانا والا سارے کا سارا ادب سلگتے احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب اردو ادب ہنستے بستے خوش گوار کرداروں سے اجڑے درناک کرداروں میں ڈھل گیا۔ اردو ادب کے کرداروں پر وہ وقت بھی آیا جب کرداروں نے اپنے اصل چہرے کھو کر کاغذی پرہن اوڑھ لیے۔

اُردو میں مختلف افراد گروہوں، ملکوں اور اقوام کے مابین تصادم کے لیے جنگ انگریزی میں War اور فارسی میں رزم

کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جنگ کی تعریف جمیل جالبی کچھ یوں کرتے ہیں:

"اقوام کے مابین ایک ہی قوم کے دو گروپوں کے درمیان جنگ یا صلح تصادم، عداوت اور خصوصیت یا فوجی جھڑپ کی حالت دشمنی علم و فن۔"(۸)

جنگ دو یا دو سے زائد گروہوں کے باہمی تصادم کا نام ہے جس کے مقاصد میں نظریاتی و معاشی دونوں اقسام کی ترجیحات شامل ہیں:

The Word Book Encyclopedia میں جنگ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"Any struggle in which two large groups try to destroy or conquer each other is a War(۹)".

انسائیکلوپیڈیا پرٹاٹیکا میں دو سیاسی گروہوں کے باہمی تصادم کو جنگ کا نام دیا گیا ہے:

"War in the proper sense is a conflict among political groups involving restilities of considerable duration and magnitude(۱۰)".

گویا دنیا میں ازل سے باہمی تصادم عام رہا ہے۔ جس میں فریقین نے طاقت کے زور پر ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور ہار ماننے پر مجبور کیا ہے تاکہ ان کی مزاحمت اور احتجاج کی قوت ختم ہو جائے۔

انتظار حسین علامت نگاری اور افسانہ نگاری کی ایک مصروف سہی ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں ہجرت اور تقسیم سے پیدا ہونے والے تہذیبی و ثقافتی زوال اور اخلاقی اقدار کے بحران کو موضوع گفتگو بنایا۔ ان کے مشہور افسانوی مجموعہ میں شامل ان کا افسانہ "ایک بن لکھی رزمیہ" فسادات و ہجرت کے عظیم سانحہ سے متعلق ہے۔ پچھوا اس افسانے کا مرکزی کردار ہے جو اپنی بہادری شاہ زوری اور جوانی کے لیے نا صرف قادر پور بلکہ گردو پیش کے علاقوں میں بھی کافی شہرت رکھتا ہے۔ فسادات کے شروع ہونے پر پچھوا بہت خوشی محسوس کرتا ہے کہ اب اسے اپنی طاقت اور فنوں کے مظاہرے کا موقع ملے گا۔ مگر آزادی بھر اسے اداس کر دیتی ہے کہ آزادی کے حصول کے لیے وہ اپنا خون قربان نہ کر سکا:

"پچھوا کے ساتھیو نے آنے والے جشن خون ریزی کے لیے اس ٹھاٹھ سے تیاریاں کی ہیں کہ اس ٹھاٹ سے لوگ عید کی تیاریاں کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹھاٹ پڑ رہ گیا۔ دیکھتے دیکھتے فساد کو رنگ بدل گیا۔ قادر پور کے جھنڈے گاڑے کا سوال ختم ہوا اب تو بس اس کا جھنڈا بلند رکھنے کا سوال تھا۔۔۔ پاکستان بننے کی اطلاع جب اسے ملی تو وہ بہت سرد ہوا بڑی حسرت سے ہاتھ مل کر کہنے لگا "میاں ہم بیٹھے رہ گئے واں قلعہ فتح ہو گیا"۔۔۔ پچھوا کو قلعہ فتح کرنے کی خوشی تو تھی لیکن اس بات کا ملال تھا کہ اس بادشاہی کے سودے میں اس کا خون صرف

نہیں ہوا۔"(۱۱)

قادر پور کے پاکستان میں شامل نہ ہونے پر پچھوا ملال محسوس کرتا ہے۔ اس کے دوست احباب آہستہ آہستہ پاکستان ہجرت کر جاتے ہیں اور اس کا دوست نعیم اسے بھی ہجرت کرنے کے لیے خط لکھتا ہے۔ انتظار حسین کا یہ افسانہ مہاجرین کے اس دردناک المیے کا بیان ہے۔ آزادی سے پہلے مسلمانوں کو جو جذباتی اور دِلی وابستگی تھی وہ پاکستان آتے ہی چکنا چور ہو گئی۔ سچے وطن پرستوں کو روئی کے لالے پڑ گئے۔ اور نعیم جیسے لوٹ کھسوٹ کرنے والے موقع پرست لوگ فائدے اٹھانے میں پیش پیش تھے۔ پچھوا پاکستان آ کر چھت اور روٹی کے لیے منت سماجت کرنے پر مجبور ہو گیا:

"آج صبح پچھوا مجھے ملا تھا کہنے لگا۔ میاں کہیں کام وام دلوا دو۔ سالی اب تو پاؤں ٹکانے کی بھی جگہ نہیں ہے۔ بابو کس کام آؤ گے اور نہیں تو گھر ہی الاٹ کرا دو۔"(۱۲)

پاکستان میں دربدر پھرنے کے بعد پچھوا قادر پور ہندوستان واپس چلا جاتا ہے اور اسی پیپل کے پاس جان دے دیتا ہے جہاں اس نے پاکستان کا جھنڈا نصب کیا تھا:

"تمہارے وطن میں پچھوا کے لیے جگہ نہ تھی لیکن پرائے وطن کی دھرتی نے اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا میں اس نصیب ور شخص سے مل نہ سکا۔ ہاں ایک روز جب ساری بستی میں ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی میں نے دیکھا کہ عید گاہ والے پیپل کی جس شاخ پر کلو اور حمد نے اپنی پارٹی کا جھنڈا باندھا تھا وہاں ان کے سردار کا سر لٹک رہا ہے۔"(۱۳)

پچھوا کے کردار کے ذریعے انتظار حسین نے تقسیم کے بعد محب وطن افراد کے دربدر ہونے اور صاحبِ اقتدار اور موقع پرست لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کو بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم کے بعد خود غرضی مادیت پرستی بے حسی اور انسانی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ جیسے مسائل پیدا ہوئے۔ انتظار حسین اس وقت کے حالات، بے بسی اور زوال پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک صدی گزرنے کے باوجود یہ سانحہ آج تک تروزہ ہے:

"جب بھی میں قلم اٹھاتا ہوں، پاکستان زندہ باد کا نعرہ اتنی شدت سے بلند ہوتا ہے کہ میرے ہاتھ قلم گر پڑتا ہے۔"(۱۵)

قیامِ پاکستان اور تقسیم ہند نے ایک کا سانحہ دنیا کی تاریخ میں ایک بہت بڑا واقعہ ہے جس کے نتیجہ میں ہونے والے فسادات، خون ریزی اور قتل و غارت کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ انتظار حسین کا افسانہ "استاد" بھی فسادات میں ہوانے ولی خون ریزی کے بارے میں ہے اس افسانے کا مرکزی کردار استاد ایک نڈر اور طاقت ور پہلوان ہے جس کی بہادری کا چرچا ہر طرف

ہے کسی میں اتنی جرات نہیں کہ وہ استاد کو سلام نہ کرے۔ ان کا اکھاڑ ہر وقت شاگردوں اور لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ مگر یوں ہی مسلم ہندو فسادات شروع ہوئے زندگی کی رنگینیاں اور گہما گہمی مانند پڑ گئی ہر طرف قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ مسلمان اپنی عزت و جان بچانے کے لیے بھاگتے پھرتے مگر استاد کسی گہری سوچ میں گم غیر مرئی نقطے کو گھورتے رہتے۔ استاد نے آکر ہی اپنی زمین کو چھوڑا۔

> "چاروں طرف خون خرابہ ہوتا رہا آگیں لگتی رہیں مگر بڑی حویلی کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، خیر یہ فساد تو ختم ہو گیا لیکن قیامتیں تو اس کے بعد آئیں اور ایسی قیامتیں آئیں کہ بڑی حویلی کی بنیادیں ہل گئیں۔۔۔ محلے خالی ہونے لگے۔ بھری بستیاں اجڑنے لگیں لوگ ایمان بچانے کے بہانے جانیں بچا بچا کر لے گئے۔"(۱۶)

انتظار حسین نے تباہی و بربادی کے ایسے مناظر دیکھائے ہیں جو مقصدیت سے بھرپور اور رومانویت سے کوسوں دور ہیں۔ تعصب و نفرت کی آگ نے اخلاق، تہذیب، جان و مال، عزت و آبرو، اقدار و روایات سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔ گھروں کے گھر اجڑ گئے۔ مکان جلائے گئے۔ عزتیں تار تار ہوئیں اور بے گناہ دربدر پھرنے پر مجبور ہو گئے۔ انتظار حسین کا افسانہ "وہ جو کھوئے گئے" ہجرت کے بعد اپنی یادداشت کھونے والے چار دوستوں کا المناک داستان ہے وہ بار بار گنتی کرتے ہیں کہ وہ کتنے ہیں مگر ہر بار خود کو گننا بھول جاتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا چوتھا ساتھی بچھڑ گیا ہے۔ جب کتا بھونکتا ہے تو وہ کسی ان دیکھی طاقت کا گمان کرتے ہیں:

> "نکلنے والوں کو یہ بھی یاد نہیں کہ وہ غرناطہ سے نکلے جہان آباد سے یا دہلی سے، جس قیامت میں ہم گھروں سے نکلتے ہیں اس میں کون کس کو پہچان سکتا اور کون کس کو شمار کر سکتا تھا۔"(۱۷)

ہجرت و فسادات کے سانحے نے ایک پوری نسل کو متاثر کیا۔ روحانی اقدار اور انسانی رشتوں کی تذلیل نے گم شدہ نسل کو ماضی و حال میں معلق کر دیا۔ زندگی اس قدر گرد آلود ہو گئی کہ تمام چہرے دھندلا گئے۔ بلند آدرش زمین بوس ہو گئے اور لوگوں نے منزل کی آرزو اور حوصلہ سفر ترک کر دیا۔ اس سانحے سے متاثرہ افراد اپنی ذات کے اندھیروں میں کھو گئے۔

انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں ہجرت و فسادات کے علاوہ جنگ کی ہولناکی اور اس سے پیدا ہونے والی تباہی کو بھی موضوع گفتگو بنایا ہے۔ جنگ ایک ایسا خوف ناک سانحہ ہے جس سے لاکھوں زندگیاں متاثر ہوتی ہیں لیکن عام لوگ جنگ کی تباہی سے بے خبر جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان کا افسانہ "سکینڈ راؤنڈ" ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ایک

خوبصورت افسانہ ہے عوامی سوچ اور ردِ عمل کی خوب صورت عکاسی کرتا ہے اس افسانے میں انہوں نے جنگ کی تباہی وہ ہولناکی کی بجائے جنگ ختم ہونے کے بعد لوگوں کے تبصروں اور جذبہ حب الوطنی ختم ہونے کے بعد لوگوں کے تبصروں اور جذبہ حب الوطنی کو بیان کیا ہے۔ اس کہانی کے مرکزی کردار رضا طاہر اور مسعود اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ اب مزید جنگ ہو گی یا نہیں وہ جنگ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"مسعود ہنس پڑا پھر کہنے لگا یار لوگ جذباتی ہو رہے ہیں انہیں پتہ نہیں ہے کہ جنگ کیا ہوتی ہے "یار معاف کرنا" رضا نے چمک کر کہا پتہ تمہیں بھی نہیں کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔"(۱۸)

مزید رضا انہیں چھمب جوڑیاں میں بنی شہدا کی قبروں کے بارے میں بتاتا ہے گویا وہ قبریں سیاہی ہوں اور شان و شوکت کے ساتھ کھڑے ہوں۔ اس پر تمام افراد کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ مولوی صاحب ایک آدمی کی جنگ کے بارے میں رائے دریافت کرتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ پاکستان لمبی جنگ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"جی کیا فرمایا! مولوی کا ہاتھ پان لگاتے لگاتے رُک گیا میرا یہ مطلب ہے کہ ایک چھوٹے ملک کے لیے جس کے وسائل محدود ہوں۔ کسی بڑے ملک سے ٹکر لینے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔

"اس ماں کے یار بڑے ملک نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر ہوا کیا" مولوی صاحب کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

مجھے کہنا تو نہیں چاہیے مگر بہر حال اتنا واضح ہے کہ اس جنگ کا اثر ترقیاتی منصوبوں پر بہت پڑے گا۔"(۱۹)

انتظار حسین اس افسانے کے ذریعے مشرقی پاکستان کے سیاسی، معاشی و معاشرتی استحصال کو بے نقاب کرتے ہیں جس کے باعث بنگالیوہ کے دلوں میں اپنے مذہبی ہم وطن بھائیوں کے لیے نفرت کے احساسات پروان چڑھنے لگے۔ باشعور قومیں اپنے سانحات سے سبق حاصل کرتی ہیں مگر تقسیم ہند کے وقت سے یہ ہماری بد قسمتی رہی کہ ہماری قیادت، رائے عامہ کے تربیتی اداروں اور سیاستدانوں نے اس نفرت کے نتائج پر غور نہ کیا اور پاکستان کی قومیت پر ایسی کاری ضرب لگائی جس کے زخموں سے ابھی تک خون رستا ہے۔

انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں سقوطِ ڈھاکہ اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کے خوفناک سانحے کو بھی نہایت مؤثر اور جاندار انداز میں بیان کیا ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے کے بارے میں ڈاکٹر طاہرہ اقبال، انتظار حسین کے طرزِ تحریر کو یوں بیان کرتے

ہیں:

"سقوطِ مشرقی پاکستان بھ گم ہوتی زمینوں، رشتوں، ٹوٹی کڑیوں، بکھرے خاندان سے متعلق ایک المناک موضوع ہے۔ جس نے کئی انسانی المیوں کو جنم دیا۔ انتظار حسین نے کئی کہانیوں میں ان پہلوؤں پر اپنے مخصوص اسلوب میں لکھا۔ لیکن خونی مناظر سے رفت انگیزی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی اس المیے کو تخلیقی تجربے میں ڈھال کر چند دھیمے دھیمے رنگوں کے برش چلائے ہیں۔ جس سے بیک گراؤنڈ زیادہ نمایاں ہو گیا ہے۔"(۲۰)

انتظار حسین کا افسانوی مجموعہ "شہر افسوس" میں بے شمار افسانے سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے سے متعلق ہیں۔ جیسا کہ ان کے اس افسانے شہر افسوس میں تین مرکزی کردار تین آدمی ہیں جو بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کے عصمت دری کرنے اور بے گناہ، معصوم لوگ کے مال و دولت کو لوٹنے کے بعد تھک جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مر چکے ہیں وہ جگہ جگہ، گلی گلی بھاگتے ہیں پر کہیں جائے پناہ نہیں پاتے۔ اچانک وہ ایک ایسے میدان میں پہنچتے ہیں جہاں ماؤں کی چھاتیاں سوکھ گئی ہیں اور بچے بھوکے پیاسے بلکتے ہیں۔ پوچھنے پر انہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ شہر افسوس ہے:

"اے بدنصیب تو شہر افسوس میں ہے اور ہم سیہ بخت یہاں دم سادھے موت کا انتظار کرتے ہیں۔"(۲۱)

انتظار حسین پاکستان کے دولخت ہونے پر پُر ملال ہیں اور اس کے نتیجے میں ہونے والی سفاکی کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نااہل سیاستدانوں، خود غرض بیوروکریسی اور مسلح افواج کے ارکان سب مشترکہ طور پر اس سانحے کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے آپریشن کی آڑ میں اپنے ہی ملک کی عوام پر حملہ کیا بنگالیوں کی عزت اور ضمیر کو نشانہ بنایا جس نے انتقام کے نہ ختم ہونے والی آگ کو بھڑکا دیا۔

"یہ تیری کون ہے بولا کہ یہ میری بہن ہے میں نے کہا تو اسے برہنہ کر۔۔۔ پھر تو مر گیا نہیں میں زندہ رہا۔"(۲۲)

یہ افسانہ بیک وقت قتل و غارت، عصمت دری لوٹ مار اور تقسیم کے بعد لواکھالی، آسام، کلکتہ اور بہار سے ہجرت کرنے والے مہاجرین کے گھروں کی مسمار ہونے کی المناک داستان کو بیان کرتے ہیں یہ اجتماعی انسانی درد و الم کی داستان ہے:

"اے لو گو سچ بتاؤ، تم وہی نہیں ہو جو اس بستی کو دارالامان جان کہ دور سے چل کر آئے اور یہاں پسر گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے شخص تو نے خوب پہچانا۔ ہم انہیں خانہ بربادوں کے قبیلہ سے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ خانہ بربادو تم نے دارالامان کو کیسے پایا۔ بولے کہ خدا کی قسم،

ہم نے اپنوں کے ظلم میں صبح کی۔ یہ سن کر میں ہنسا، وہ میرے ہنسنے پر حیران ہوئے وہ
میرے ہنسنے پر حیران ہوئے۔ میں اور زور سے ہنسا وہ اور حیران ہوئے۔"(۲۳)

انتظار حسین نے اس افسانے کے ذریعے تقسیم ہند ۱۹۴۷ء، اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہونے والی اذیت ناک ہجرت اور اس کے نتیجے میں ہونے والی انسانی نقصان کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"آگے جب ہم نکلے تھے تو اپنے اجداد کی قبریں چھوڑ کر آئے تھے۔ اور اب کے نکلے ہیں تو
اپنی لاشیں چھوڑ آئے ہیں۔"(۲۴)

انتظار حسین نے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی اور اس سے پیدا ہونے والے فسادات کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ اس عہد کی وہ عمدہ تصویر کشی کرتے ہیں جس نے انسانیت کی قبا کو تار تار کیا اور انسانوں کو دوبارہ ہجرت کی ضرورت کی تکلیف سے دوچار کیا کہ انسانیت کو اپنے گریبان میں جھانکنے پر انتظار حسین کا ایک اور افسانہ "وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے" اس افسانے میں مشرقی و مغربی پاکستان کو یاجوج ماجوج کہا گیا ہے۔ مشرقی و مغربی پاکستان مفادات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اندرونی سیاسی محرکات نے خارجی و داخلی پالیسیوں کو دو مخالف سمتوں میں چلا دیا اور ملک ناختم ہونے والے بحران کا شکار ہو گیا۔

"اب بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ شام ہونے پر یاجوج ماجوج نے اپنی زبانیں نکالیں
اور سکندری کو چاٹنے کی بجائے عالم غیظ میں ایک دوسرے کو لو چاٹنے لگے وہ رات بھر ایک
دوسرے کو چاٹتے رہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج کے چاٹنے اور یاجوج ماجوج کے چاٹنے سے
انڈے کی مثال رہ گیا۔"(۲۵)

سانحہ مشرقی پاکستان میں پاکستان کی حالت ایک ایسے بے سمت جہاز کی مانند تھی جو پٹوار کے بغیر ہو۔ اقتدار پر قابض لوگ اخلاقی جرات سے عاری تھے۔ اندرونی نفاق نے غیر ملکی جارحیت کو پنپنے کا موقد یا۔ اور اس باہمی لڑائی اور اختلافات نے ملک کو صرف بربادی سے دوچار کیا۔

افسانے کے آخر میں یاجوج ماجوج ایک بوڑھے کے پاس فیصلے کے لیے جاتے ہیں:

"اے یاجوج ماجوج! تمہارا بُرا ہو کہ تم سکندری کو نہ چاٹ سکے مگر ایک دوسرے کو سچ مچ
چاٹتے جا رہے ہو۔۔۔ یاجوج ماجوج اپنی لال زبانوں کے ساتھ آپس میں گتھم گتھا ہو
گئے۔"(۲۶)

بین الاقوامی استعماری طاقتوں نے آج تک ہمیں باہم لڑوایا ہے اور اگر اب بھی ہم نے اپنے دفاع کو مضبوط نہ کیا اور اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوئے تو یہ آگ کبھی نہیں بجھ سکتی اور ہم باہمی اختلافات اور خود غرض مقاصد کی بھینٹ چڑھ جائیں

گے۔ اور ہماری آئندہ نسلوں کو پچھتانا پڑے گا۔ انتظار حسین کا ایک اور افسانہ "اسیر" ۱۹۷۱ء کے سانحے اور المیے کے پس منظر میں ایک اہم افسانہ ہے۔ جس کے ذریعے پاکستان کی سماجی، سیاسی اور معاشی حالات پر طنز کیا گیا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار جاوید ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد مشرقی پاکستان میں اسیری کاٹ کر جب واپس آتا ہے تو اس کا دوست انور اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ملکی حالات کے بارے میں بتاتے ہیں۔ جاوید مشرقی پاکستان میں ہونے والی غارت گری، بربریت اور خون ریزی کے بارے میں بتاتا ہے۔ جہاں انسانیت حیوانیت میں بدل چکی تھی اور لوگ کفن دفن کے روایتی طریقوں کو بھی بھول چکے تھے۔

> "وہاں مرنے کے طریقہ دوسرا تھا۔ مرنے کے روایتی طریقوں سے ہم مانوس نہیں رہے تھے۔"(۲۷)

مغربی پاکستان آکر جاوید مزید رنجیدہ ہوتا ہے کہ وہ وجوہات و حالات کے جن کے باعث ملک دولخت ہو گیا وہ ابھی تک موجود ہیں۔ تعصب نفرت، مفاد پرستی، فرقہ پرستی، اقربا پروری اور وہ معاشرتی برائیاں جو ملکی زوال کی وجہ بنیں وہ یوں کی توں موجود ہیں لہٰذا جاوید مایوس ہو کر کہتا ہے:

> "یار ویسے تو مجھے یوں لگا کہ یہاں سب کچھ بدل گیا ہے اور مجھے ایک دھچکا سا لگا پھر مجھے رفتہ رفتہ لگا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں بدلا اور پھر مجھے ایک دھچکا اور لگا۔"(۲۸)

ایک اور افسانہ "نیند" سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے اور ملکی سیاسی حالات پر طنز کرتا ہے۔ صاحبِ اقتدار اور حکومت کی ہوس، نااہلی اور غلط پالیسیوں کے باعث سقوطِ ڈھاکہ کا المناک سانحہ پیش آیا۔ اس افسانے کا مرکزی کردار مشرقی پاکستان میں ظلم و بربریت کے سمندر سے جان بچانے میں کامیاب ہو گیا مگر اس تمام صورتِ حال نے اسے جسمانی اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیا۔ وہ ان تمام حالات کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

> "لوگوں کو انہوں نے کیسی کیسی اذیتیں دے کر مارا ہے۔۔۔ بوڑھوں کو، بچوں کو، وحشی،۔۔۔ درندے۔۔۔ میرا بس چلے تو میں انہیں۔۔۔ اس نے دانت کچکچائے۔
> انہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ زیدی نے اعلان کیا "یہی کرنا چاہیے تھا؟" اسلم تمغے سے بولا۔ ہاں ہم پچیس سال تک ان کے ساتھ جو کچھ کرتے رہے تھے اس کے بعد انہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔"(۲۹)

انتظار حسین مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات کو بیان کرتے ہیں کہ غلط سیاسی پالیسیوں نے محرومی اور ناانصافی کے

احساس سے دوچار کیا۔ سیاسی و قومی ڈھانچے میں عدم شرکت اور معاشی بے انصافیوں نے دونوں بازوؤں کے درمیان ایسی نفرت و تعصب کی دیوار کھڑی کی جس کا نتیجہ ملکی کا دولخت ہونا تھا۔

حوالہ جات

۱. سید تصدیق حسین، رضوی، مولوی، لغات کشوری، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء

2. Oxford dictionary of Current English, Lahore: Ilmi Publications, P:245

3. Oxford dictionary of Current English, Ilmi Book House, P:945

۴. خان، عزیزہ، قدرتی آفات، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰

۵. محمد افضال، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۱

۶. محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، پاکستانی معاشرہ اور اردو افسانہ، مشمولہ: پاکستانی معاشرہ و ادب، مرتبہ: سید حسن محمد جعفری، کراچی، پاکستان سٹڈی سنٹر، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۳

۷. انور قاضی، فردوس، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص ۴۹۳

۸. جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء، ص ۲۸

9. The world book encyclopedia, vol:20, field enterprises, educational corporation, Chicago, USA, 1970

10. The new encyclopedia, Britanica, Vol-29, Encyclopedia, Britanica, Inc, 1987

۱۱. حسین، انتظار، گلی ایک بن لکھی رزمیہ، مشمولہ: جنم کہانیاں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵۵

۱۲. ایضاً، ص: ۱۶۰

۱۳. ایضاً، ص: ۱۶۹

۱۴. حسین، انتظار "جنم کہانیاں" لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۱

۱۵. حسین، انتظار "گلی کوچے" لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۲۸۰

۱۶. انتظار حسین، انتظار حسین کے سترہ افسانے، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۰ء، ص ۱۴

۱۷. حسین، انتظار "جنم کہانیاں" لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۷

۱۸. ایضاً، ص: ۱۴۷-۱۳۷

۱۹. اقبال، طاہرہ، پاکستان اردو افسانہ (سیاسی و تاریخی تناظر میں) لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص:۳۹۲

۲۰. انتظار حسین، شہر فسوس، ۔۔۔ ص:۲۵۶

۲۱. ایضاً، ص:۲۴۹

۲۲. ایضاً، ص:۲۵۶

۲۳. ایضاً، ص:۲۶۳

۲۴. ایضاً، ص:۲۲۳

۲۵. ایضاً، ص:۲۲۶۔۲۲۵

۲۶. حسین، انتظار، مجموعہ انتظار حسین، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۶۵

۲۷. ایضاً، ص:۴۶۷

۲۸. انتظار حسین، نیند مشمولہ کچھوے، لاہور: مطبوعات، لاہور: ۱۹۸۱ء، ص ۷۰۔۶۹